قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
ترتیب وتدوین: سید برہان علی۔ حافظ محمد زاہد

سُورۃُ الزُّخرف

سورۃ الزخرف چھوٹے چھوٹے سات رکوعوں پر مشتمل ہے۔ مضامین کے اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ اور سورۃ الدخان جوڑے کی شکل میں ہیں اور ان دونوں سورتوں کا آغاز ﴿حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②﴾ سے ہوتا ہے۔ سورۃ کے آغاز میں فرمایا:

﴿حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ③﴾

''ح'م۔ قسم ہے اس کتاب کی جو بالکل واضح ہے اور ہم نے اسے قرآن عربی بنایا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔''

یہاں یہ بات ذہن میں رکھیے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور کلام متکلّم کی صفت ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح اللہ کی ذات کسی بھی پیمانہ میں آنے والی نہیں اسی طرح سے اس کی صفات بھی مطلق ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اس ازلی کلام نے عربی قرآن کی شکل اختیار کی ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ یہاں بڑے پیارے انداز میں بتایا جارہا ہے کہ ہم نے بنایا ہے اس کو قرآن عربی تاکہ تم سمجھ سکو۔ چونکہ اس کے اوّلین مخاطب عرب ہی تھے اس لیے اس اعتبار سے تو بات بالکل واضح ہے کہ ان کو مخاطب کر کے بتایا جارہا ہے کہ اس کو قرآن عربی اس لیے بنایا ہے تاکہ تمہارے اور اس کے مابین کوئی حجاب اور فصل نہ ہو۔ دوسری بات یہ کہ دنیا بھر کی زبانوں میں اپنی وسعت کے لحاظ سے عربی ہی وہ زبان ہے جو اللہ کے ابدی کلام کو اپنے دامن میں لے سکتی ہے اور یہی وہ زبان ہے جسے کما حقہ سمجھا جاسکتا ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ④﴾ ''اور بے شک یہ قرآن ہمارے پاس اُم الکتاب (لوحِ محفوظ) میں بہت ہی عالی ترتیب وحکمت سے معمور ہے''۔ یہ قرآن مجید کی شان ہے کہ وہ لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے اور وہیں سے یہ کلام بذریعہ وحئ الٰہی محمد ﷺ کے سینے پر اُترا ہے۔ ساتھ ہی فرمادیا گیا کہ کیا ہم تمہاری طرف سے یہ ذکر پھیر دیں گے اس وجہ سے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو؟ یعنی یہ واضح کر دیا گیا کہ تم لوگوں کی ہٹ دھرمیوں اور نادانیوں کی وجہ سے ایسے عظیم کلام کی تنزیل بند نہیں کی جاسکتی۔

آیات ۶ تا ۱۱ میں سابقہ انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کو بیان کیا۔ اس کے بعد آیات ۱۲ تا ۱۴ میں ایک اہم مضمون بیان ہوا۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾

”(اللہ وہ ذات ہے) جس نے سب چیز کے جوڑے بنائے اور بنائیں تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم چڑھو اس کی پیٹھ پر اور اپنے ربّ کا احسان یاد کرو جب تم اس (سواری) پر (اچھی طرح) بیٹھ چکو تو یہ (دعا) پڑھو: پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا ورنہ ہم اسے قابو میں نہیں کر سکتے تھے اور ہمیں اپنے ربّ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔“

انسان ہاتھی جیسے جانور پر سواری کرتا ہے' اسی طرح گھوڑوں' اونٹوں' کشتیوں' بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں پر سواری کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ سوار ہوتے وقت یہ دعا ضرور پڑھ لے' کیونکہ اللہ ہی نے ان چیزوں کو انسان کے تابع کیا ہے ورنہ انسان ہاتھی جیسے جانور کو اپنے تابع کیسے کر سکتا ہے!

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کے ناشکرے پن کا شکوہ کرتا ہے کہ انسان اس کی نعمتوں کا شکر کرنے کے بجائے اس کے لیے اولاد تجویز کرتا ہے اور وہ بھی بیٹیاں' حالانکہ انسان اپنے لیے بیٹیوں کے بجائے بیٹوں کو پسند کرتا ہے۔ فرمایا:

”اور ٹھہرائی ہے انہوں نے اللہ کے لیے اولاد اس کے بندوں میں سے۔ بے شک انسان کھلا ناشکرا ہے۔ کیا اللہ نے رکھ لیں اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں اور تم کو دے دیے چُن کر بیٹے؟ اور جب ان میں سے کسی کو خوشخبری دی جائے اس چیز کی جس کو انہوں نے رحمٰن کے نام لگایا (یعنی بیٹی) تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔ کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے (اللہ کی بیٹی ہو سکتی ہے؟) اور انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا ہے۔ کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔“ (آیات ۱۵ تا ۱۹)

اس سورہ کی آیات ۸۱ تا ۸۳ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان سے کفار کی اس بات کا جواب بایں الفاظ دیا ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِیْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾﴾

”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کی اولاد ہوتو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں آسمانوں' زمین اور عرش کا مالک اس سے پاک ہے۔ آپ ان کو فضول گوئی اور کھیل تماشے میں منہمک رہنے دیجیے یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں اس دن کو جس کی ان کو دھمکی دی جاتی ہے۔“

آیات ۳۰ اور ۳۱ میں کفار کے قرآن حکیم پر کیے گئے دو اعتراضات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ اعتراضات

قرآن حکیم کے توسط سے درحقیقت نبی کریم ﷺ کی رسالت پر تھے۔ فرمایا:

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾﴾

''اور جب ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟''

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان اعتراضات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا یہ لوگ آپ کے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان کے مابین دنیوی زندگی کا سامانِ معیشت تقسیم کر دیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی تاکہ وہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ آپ کے رب کی رحمت بہت بہتر ہے اس سے جو یہ جمع کرتے ہیں۔''

سورۃ الانعام میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (آیت ۱۲۴) ''اللہ خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا اہل کون ہے اور) کس کو اپنی پیغمبری عنایت فرمائے۔''

کفار کے پہلے اعتراض کہ یہ قرآن جادو ہے' کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿٤٤﴾﴾ ''اور یہ (قرآن) آپؐ کے لیے اور آپؐ کی قوم کے لیے نصیحت ہے' اور تم لوگوں سے عنقریب (اس کے بارے میں) پوچھا جائے گا۔''

اس کے بعد یہ اہم مضمون بیان ہوا کہ ان لوگوں کی نگاہوں میں ساری اہمیت سیم و زر کی ہے جبکہ ہماری نگاہوں میں ان کی حیثیت مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں۔ فرمایا:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٥﴾﴾

''اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ تمام انسان ایک اُمت بن جائیں گے (یعنی کافر ہو جائیں گے اور ہم سے بھی اپنا منہ موڑ لیں گے) تو جو لوگ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں ہم ان کے گھر کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے۔ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر یہ تکیہ لگاتے ہیں۔ اور خوب تجمل (و آرائش کر دیتے' مگر یہ یاد رکھو کہ) یہ سب دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہے' اور آخرت (کی عیش و عشرت) آپؐ کے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے۔''

اس کے بعد آیت ۴۶ سے ۵۶ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ اس تذکرہ میں یہاں ایک خاص بات آئی ہے اور وہ ہے شرک فی الملک یعنی بادشاہت میں شرک۔ بادشاہِ حقیقی صرف اللہ ہے' اس لیے جو کوئی بھی بااختیار یا بادشاہِ مطلق کا دعویٰ کرتا وہ درحقیقت خدائی کا دعوے دار ہے۔ فرعون نے بھی اپنی قوم میں یہی ندا لگائی: ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾﴾ ''کیا میرے لیے نہیں ہے مصر کی بادشاہی؟ اور یہ نہریں جو میرے (محلات کے) نیچے چل رہی ہیں (کیا میرے انتظام میں نہیں) کیا تم

دیکھتے نہیں؟'' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے:

''بے شک میں اس شخص سے بہتر ہوں جس کی کوئی حیثیت نہیں اور جو صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا ہے۔[یہ بالکل وہی بات ہے جو کفار نے نبی کریم ﷺ کے لیے کہی تھی کہ یہ تو بے حیثیت ہے' اس کی جگہ کوئی بڑا شخص ہوتا تو ہم اس کی بات ضرور مانتے۔] تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے!''

یہ ہے شرک فی الملک' یعنی فرعون نے بادشاہِ مطلق کا دعویٰ کیا' جبکہ اللہ تعالیٰ کو یہ دعویٰ ناپسند اور غصہ دلانے والا ہے۔ اس پر اللہ نے اس سے اور اس کے پیروکاروں سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کر دیا۔

اگلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا اور اس تذکرہ میں یہ اہم بات بھی آئی: ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ ''اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہیں' پس اس میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو۔ یہی سیدھا راستہ ہے''۔ جو حالات و واقعات قربِ قیامت میں پیش آنے والے ہیں ان میں سے ایک اہم واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے۔ چنانچہ آپؑ کے ذکر کے آخر میں ارشاد ہوا:

''کیا یہ لوگ اب صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ اچانک ان پر قیامت آ جائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو!''

سُورۃُ الدُّخان

یہ سورۂ مبارکہ تین رکوعوں پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ سورۃ الزخرف کے آغاز میں ذکر ہوا کہ یہ دونوں سورتیں جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں اور دونوں کی ابتدا ﴿حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝﴾ کے الفاظ سے ہوئی ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝﴾ ''ہم نے اس کو نازل کیا ہے ایک مبارک رات میں (اور) ہم تو خبردار کرنے والے ہیں۔''

قرآن مجید میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ (الفاظ یا اسلوب کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ) ضرور آتے ہیں۔ اس طرح کا مضمون آخری پارہ میں سورۃ القدر میں دوبارہ آیا ہے۔ وہاں اس رات کو ''لیلۃ القدر'' کہا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝﴾ ''ہم نے اس کو نازل کیا لیلۃ القدر میں''۔ بعض لوگوں نے ناسمجھی کی وجہ سے ان کو دو راتیں سمجھ لیا ہے' حالانکہ یہ ایک ہی شب ہے' جس کا ذکر دو جگہوں پر ہوا ہے۔ اس آیت میں اس کے نزول کی وجہ خبردار کرنا بتایا گیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ کوئی بہادر شخص بے خبری میں حملہ نہیں کرتا بلکہ پہلے خبردار کرتا ہے اور پھر حملہ کرتا ہے' اس طرح اللہ تعالیٰ نے بھی کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجا جب تک کہ اپنے رسولوں کے ذریعے اُس قوم کو اچھی طرح خبردار نہ کر دیا ہو اور اُن پر حجت نہ قائم کر دی ہو۔ اگلی آیت میں اس رات کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝﴾ ''یہ وہ رات ہے کہ جس میں ہر اہم معاملے کا فیصلہ چکا دیا جاتا ہے''۔ یعنی جو بھی اہم معاملات ہیں وہ اس رات میں طے کیے جاتے ہیں' اس لیے اس رات میں نزولِ قرآن کا آغاز ہوا۔

سورۃ الزخرف میں قیامت کی ایک نشانی نزولِ عیسیٰ کا تذکرہ آیا تھا' اب اس سورہ کی آیت ۱۰' ۱۱ میں بھی

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ''دخان'' یعنی ''دھواں'' کا تذکرہ ہے۔ فرمایا: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ ''تو اس دن کا انتظار کرو کہ جب آسمان سے صریح دھواں نکلے گا' جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ درد دینے والا عذاب ہے۔''

اگلی آیت میں نافرمانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ اس نشانی کو دیکھ کر پکار اٹھیں گے: ''اے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے' ہم ایمان لاتے ہیں'' (آیت ۱۲)۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اب ان کو نصیحت کہاں مفید ہوگی جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر آ چکے جو کھول کھول کر بیان کرتے تھے۔ پھر انہوں نے اُن سے روگردانی کی اور کہنے لگے کہ یہ تو سکھلائے ہوئے یا جِنّات کے سائے میں ہیں۔'' (آیات ۱۳۔۱۴)

اگلی آیات میں کفار کے لیے بطور امتثال فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا کہ جیسے ہم نے تم تک اپنا پیغامِ ہدایت پہنچانے کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیجا اسی طرح اس سے پہلے ہم نے اپنے پیغمبروں کو مختلف اقوام کی طرف بھیجا۔ پھر جس قوم نے نافرمانی کی تو ہم نے اسے عبرت کا نشان بنا دیا۔ ان میں سے ایک آلِ فرعون ہے جس کی طرف عالی قدر پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) کو بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ﴿وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۝ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ۝﴾ ''اور اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو۔ بے شک میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں۔ اور اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو' میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو مجھ سے دور ہو جاؤ''۔ اس کے بعد فرمایا کہ فرعون نے سرکشی کی تو اس کے جواب میں ہم نے اس کے پورے لشکر کو غرق کر دیا اور ان کو ذرا مہلت نہ دی۔

آیت ۳۴' ۳۵ میں فرمایا: ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝﴾ ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف پہلی دفعہ مرنا ہے اور (پھر) اٹھنا نہیں''۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾ ''بے شک فیصلے کا دن ان سب (کے اٹھنے کا) وقت ہے۔''

اگلی آیات میں سرکشوں اور اپنے پروردگار کا حکم نہ ماننے والے منکرین کے کھانے کا بیان ہے کہ زقوم (کڑواترین درخت) ان کا کھانا ہوگا اور تیل کی تلچھٹ جیسا کھولتا ہوا پانی ان کا پینا ہوگا اور پھر ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا: ''یہ وہی ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔'' (آیت ۵۰)

آیات ۵۱ سے ۵۷ تک جہنمیوں کے مقابلے میں اہلِ جنت اور ان کے انعامات کا تذکرہ ہے۔ یہ قرآن پاک کا اسلوب ہے کہ ایک چیز کو بیان کرنے کے بعد اس کی ضد کو بھی ساتھ ہی بیان کرتا ہے تاکہ فرق واضح ہو جائے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝﴾ ''بے شک پرہیزگار امن کی حالت میں ہوں گے (یعنی) باغوں اور چشموں میں''۔ مزید فرمایا کہ ان کا لباس خالص ریشم کا ہوگا' خوبصورت حوریں ہوں گی' ہر طرح کے میوے ہوں گے' اور یہ صرف ایک دفعہ ہی (دنیا میں) موت کا مزہ چکھیں گے' پھر ابدی حیات ہوگی جس میں مرنا نہیں ہوگا۔ آخر میں فرمایا: ﴿فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

﴿الْعَظِيْمُ﴿۵۷﴾﴾ ''یہ تمہارے پروردگار کا فضل ہے۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔'' اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!

آیت ۵۸ میں فرمایا: ﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ''(اے نبیﷺ!) ہم نے اس کتاب کو آپ کی زبان میں آسان بنادیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں''۔ یعنی اس قرآن کو ہم نے عربی میں نازل کیا جو آپ کی مادری زبان ہے' اس لیے یہ آپ کی زبان سے بڑی سہولت کے ساتھ ادا ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی بہرحال نہیں ہیں کہ اس کے مضامین میں گہرائی نہیں ہے۔ اصل اعجاز تو ہوتا ہی ''سہل ممتنع'' میں کہ الفاظ تو آسان ہوں لیکن مضامین ایسے گہرے ہوں کہ تدبر کرنے کے لیے اس کی گہرائیوں میں اترا جائے۔ قرآن بھی بعینہٖ اسی حیثیت کا مالک ہے۔ اسی لیے تو امرءالقیس (جاہلی دور کا بڑا شاعر) اس کلام کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کوئی بھی اس کے مثل کلام نہ لا سکا۔

سُورۃُ الجَاثیۃ

یہ سورۂ مبارکہ چار رکوعوں پر مشتمل ہے۔ مضامین کے اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ اور اس کے بعد آنے والی سورۃ الاحقاف جوڑے کی شکل میں ہیں اور ان دونوں سورتوں کا آغاز ﴿حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾﴾ سے ہو رہا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کی سورۃ الدخان کے مضامین کے ساتھ بھی گہری مشابہت ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ سورۃ الدخان کے فوراً بعد یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔ اس کا موضوع بھی توحید اور آخرت کے متعلق کفارِ مکہ کے اعتراضات کا جواب دینا اور ان کو ان کے اس رویہ پر متنبہ کرنا ہے جو انہوں نے قرآن کی دعوت کے مقابلے میں اختیار کر رکھا تھا۔ سورۃ کے آغاز میں فرمایا:

﴿حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾﴾

''ح م۔ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور دانا ہے۔''

آیات ۳ سے ۶ تک اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل اور اپنی ان نشانیوں کا تذکرہ کیا ہے جس کا سب مشاہدہ کرتے ہیں۔ فرمایا:

''بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ اور تمہاری پیدائش اور جانوروں میں بھی جن کو وہ پھیلاتا ہے' یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں' اور وہ جو اللہ نے آسمان سے رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ (بنجر) ہو جانے کے بعد زندہ کیا' اور ہواؤں کے بدلنے میں (بھی) عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یہ اللہ (کی قدرت) کی نشانیاں ہیں جو ہم آپ کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ تو یہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کس پر ایمان لائیں گے؟'' (آیات ۳ تا ۶)

اس طرح آیات ۱۲' ۱۳ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں اور بنی نوعِ انسان پر کیے گئے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر کرو۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ان سب کو تمہارے تابع کر دیا۔ اس

میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔"

آگے ان نشانیوں کے باوجود اپنے کفر پر اڑے رہنے والوں کے دردناک انجام کا تذکرہ ہے۔فرمایا: ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑧﴾ "ایسے شخص کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو" —— ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑨﴾ "ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے" —— ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑩﴾ "اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے" —— ﴿لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑪﴾ "ان کو سخت قسم کا درد دینے والا عذاب ہوگا۔"

آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے جزا و سزا کے حوالے سے ایک خاص اصول بیان کر دیا۔فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑮﴾ "جو کوئی نیک کام کرے گا تو اپنے لیے کرے گا اور جو بُرا کرے گا اس کا ضرر اسی کو ہوگا' پھر تم سب اپنے رب کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے"۔ یہاں یہ یاد رکھیں کہ آپ ایمان لائے یا کوئی نیک کام کر رہے ہیں تو یہ کسی پر احسان نہیں کر رہے۔ یہ عمل آپ اپنے لیے کر رہے ہیں۔

آگے آیات ۱۶ تا ۱۸ میں بنی اسرائیل کے حوالہ سے ارشاد ہو رہا ہے:

> "ہم نے ان کو کتاب' حکمت اور نبوت عطا فرمائی اور ان کو عمدہ سامانِ زیست دیا اور دنیا بھر کے لوگوں پر ان کو فضیلت عطا فرمائی۔ دین کے معاملہ میں ان کو واضح ہدایات دیں' پھر علم آ جانے کے بعد ان کے درمیان آپس کی ضد کی وجہ سے اختلاف ہوا۔ قیامت کے دن اللہ ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے۔ (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ یعنی شریعت پر قائم کیا ہے لہٰذا آپ اسی پر چلتے رہیے اور ایسے لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کیجیے جو علم نہیں رکھتے۔"

تیسرے رکوع میں دہریت کا مضمون بتمام و کمال بیان ہوا ہے' فرمایا:

> ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ ۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ㉓﴾
>
> "کیا تم نے غور کیا اس شخص کے حال پر جس نے خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اس کو اس کے تمام تر علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ کے بعد اب کون ہے جو اس کو ہدایت دے؟ تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟"

اس بات کو اگر آج کے دور پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو آج کل کیسا کیسا علم وجود میں آ چکا ہے اور سائنس و ٹیکنالوجی کس درجہ تک ترقی کر رہی ہے لیکن بجائے اس کے کہ اس علم کی ترقی سے لوگوں کی بصیرت میں اضافہ ہوتا وہ حقیقت سے دور سے دور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اگلی آیت میں دہریت کے اس مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا: "اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے' ہم خود مرتے ہیں اور خود جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک کرنے والی شے محض گردشِ ایام ہے۔ اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں' یہ صرف گمان سے کام لیتے ہیں"۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ کائنات آپ سے آپ چل رہی ہے اور رواں دواں ہے۔ آپ سے آپ ہی چیزیں بن رہی ہیں اور ختم ہو رہی ہیں۔ ہم نہیں مانتے کہ اور

کوئی بالاتر ہستی یا طاقت ہے جس کا ارادہ یا مشیت یہاں کارفرما ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''(اے نبی ﷺ) کہہ دو اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر (وہی) تم کو موت دیتا ہے۔ پھر وہ تم کو قیامت کے روز' جس میں کوئی شک نہیں' جمع کرے گا۔ لیکن بہت سے لوگ اس کو نہیں جانتے۔'' (آیت ۲۶)

آیت ۳۲ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بارے میں کفار کا قول نقل کیا جو قیامت کو محض گمان خیال کرتے تھے۔ فرمایا: ''اور جب کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے' ہم اس کو محض گمان خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں آتا''۔ اگر ہم غور کریں تو اس وقت قیامت کے حوالے سے ہم میں سے اکثریت کا حال یہی ہے کہ ہم بھی آخرت کو ایک گمان سمجھتے ہیں کہ شاید ایسا ہو۔ اگر ہمارا دل آخرت اور قیامت کے قیام کے حوالے سے مطمئن ہو جائے تو اس سے ہماری زندگی میں عملی اعتبار سے ایک انقلاب عظیم برپا ہو جائے گا' لیکن یہ وہ چیز ہے جو آسانی سے ہاتھ آنے والی نہیں۔

آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے کبریائی اور بڑائی کو اپنے لیے مختص کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں اسی (اللہ) کی بڑائی ہے۔ اور وہ غالب اور دانا ہے''۔ انسانوں کے لیے تکبر کسی صورت جائز نہیں ہے۔ ایک حدیث قدسی میں یہ الفاظ آتے ہیں: ''تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا لباس' جس نے مجھ سے ان میں سے کسی ایک پر جھگڑا کیا تو میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔'' (ابوداؤد)

سُورۃُ الاَحْقاف

یہ سورۂ مبارکہ چار رکوعوں پر مشتمل ہے اور یہ مضامین کے اعتبار سے سورۃ الجاثیہ کا جوڑا ہے۔ اس میں کفارِ مکہ کو ان گمراہیوں کے نتائج سے خبردار کیا گیا ہے جن میں نہ صرف وہ مبتلا تھے بلکہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اُن پر جمے ہوئے تھے اور الٹا اس شخص کو ہدفِ ملامت بنا رہے تھے جو انہیں ان گمراہیوں سے نکالنے کے لیے کوشاں تھا۔ قرآن کو اللہ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور قیامت' حیات بعد الموت اور سزا و جزا کی باتوں کو ایک مَن گھڑت افسانہ سمجھتے تھے۔ آغازِ کلام ہو رہا ہے:

﴿حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ②﴾

''ح' م۔ اس کتاب کا نزول ہے اس ہستی کی طرف سے جو العزیز اور الحکیم ہے۔''

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جن سے سورۃ الجاثیہ کی ابتدا ہوئی تھی۔ اس سورۃ کی آیت ۹ ایک اہم آیت ہے جس میں فرمایا گیا:

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ⑨﴾

''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا نویلا رسول تو نہیں ہوں اور مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کل میرا کیا بنے گا اور تمہارا کیا بنے گا؟ میں تو اسی کی پیروی کر رہا ہوں (اور عمل کر رہا ہوں) کہ جو مجھ پر وحی کیا

جا رہا ہے اور میں سوائے کھلے کھلے خبردار کردینے والے کے اور کچھ نہیں۔"

یہ بڑی لرزا دینے والی آیت ہے۔ ایک تو اس سے لفظ بدعت کا مفہوم سمجھ میں آ جائے گا کہ بالکل نئی چیز جو پہلے سے نہ چلی آ رہی ہو بلکہ نئی ایجاد ہو' وہ بدعت کہلاتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہلوایا جا رہا ہے کہ کہہ دو مجھے خود کچھ پتا نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا۔ انسان اس پر غور کرے تو یہ جملہ لرزہ طاری کردینے والا ہے۔

آیت ۱۲ میں موسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل ہونے والی تورات کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ یہ قرآن اس کا مصدِّق (تصدیق کرنے والا) ہے۔ فرمایا:

﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾﴾

"اور اس قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب (لوگوں کے لیے) امام تھی اور رحمت بھی۔ اور اب یہ عربی زبان میں نازل شدہ کتاب (یعنی قرآن) اس پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے تا کہ ظالموں کو متنبہ کرے اور نیک روش اختیار کرنے والوں کو بشارت دے دے۔"

آیت ۱۵ میں والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس ضمن میں سلیم الفطرت انسان کا تذکرہ کیا ہے جو اللہ کے انعامات کا شکر بجالانے کے لیے اللہ سے توفیق کی بڑی بلیغ اور جامع دعا کرتا ہے' فرمایا:

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے باوجود پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے ہی جنا۔ اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا اڑھائی برس میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیرا شکر بجالاؤں اس احسان کے بدلے جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیے اور (اس کی بھی توفیق دے) کہ میں نیک عمل کروں جس کو تو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔"

یہ الفاظ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں بھی آ چکے ہیں۔ یہاں والدین کے لیے بھی دعا ہو رہی ہے اور اولاد کے لیے بھی کہ میری اولاد بھی صالح بنے۔ اس لیے کہ اگر کسی نیک انسان کی اولاد صالح نہیں ہے تو وہ بجائے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بننے کے اس کے لیے مسلسل کوفت کا موجب بنی رہے گی۔

دوسری بات یہ کہ صالح اولاد سب سے بڑا صدقہ جاریہ ہے۔ انسان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کے اپنے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن اس کے حساب میں اس کی اولاد کے اعمالِ صالحہ جمع ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے سورۃ الفرقان میں اولاد کے لیے ایک دعا سکھلائی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾﴾

"اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔"

اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ انسان چالیس سال کی عمر میں سنِ رُشد کو پہنچ جاتا ہے۔ اسی کو بنیاد بناتے ہوئے میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ پاکستان کے سیاسی نظام میں ووٹر کی عمر بھی چالیس سال ہونی چاہیے تاکہ وہ پوری سمجھ داری سے اپنا رائے دہی کا حق استعمال کرے۔

آیت ۲۱ میں حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ہے جس میں حضرت ہود اور ان کی قوم کا معاملہ مذکور ہے۔ فرمایا: ''اور یاد کرو (قوم) عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کو کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی — اور تحقیق ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے ہیں — کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ لے آؤ وہ چیز (عذاب) جس سے ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو''۔ قوم کے انکار اور ہٹ دھرمی پر ان پر آندھی کا عذاب آیا اور اس نے اس قوم کو تہس نہس کر دیا۔

آیات ۲۹ تا ۳۲ میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی موقع پر وعظ فرما رہے تھے یا قرآن سنا رہے تھے تو جنات کے ایک گروہ کا وہاں سے گزر ہوا انہوں نے وہاں پر قرآن سنا جس کے نتیجہ میں ان کے اندر دعوت کا جذبہ اُبھرا اور انہوں نے اپنی قوم میں جا کر دعوت دی۔ فرمایا:

> ''اور جب ہم نے جنوں میں سے ایک جماعت تمہاری طرف متوجہ کی کہ قرآن سنیں' تو جب وہ اس کے پاس آئے (تو آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ جب (پڑھنا اور سننا) تمام ہوا تو اپنی قوم میں واپس گئے تاکہ انہیں نصیحت کریں۔ کہنے لگے اے قوم ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے' جو (کتابیں) اس سے پہلے ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے' سچ اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ' اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دکھ دینے والے عذاب سے دور رکھے گا۔ اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا اس کے حامی ہوں گے۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔''

ہمارے لیے یہ ایک مثال ہے کہ کوئی خیر اور نیکی کی بات اور نیک دعوت اللہ کے کسی بھی بندے کے سامنے آئے تو وہ اس کو قبول کرے اور اس کا علمبردار اور پرچارک بن جائے۔

اس سورۃ کی آخری آیت میں تشویق و ترغیب کے بڑے دلکش پیرائے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) صبر کیجیے جس طرح عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اور ان کے لیے (عذاب) جلدی نہ مانگیے۔ جس دن یہ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو (خیال کریں گے) گویا ہم (دنیا میں) صرف دن بھر ہی رہے۔ (یہ قرآن) پیغام ہے' پس اب نافرمان ہی ہلاک ہوں گے۔''